ایک اور شہید......!

عرفان صدیقی

''قانون کا آہنی ہاتھ بہت جلد کراچی دھماکوں کے مجرموں کی گردنیں دبوچ لے گا''۔ اطلاعات ونشریات کے وفاقی وزیر اور سرکاری عزائم کے ترجمان اعلیٰ شیخ رشید احمد کے طرحدار بیان کی ست رنگی پتنگ ابھی کراچی کی فضاؤں میں ہلکورے کھا رہی تھی کہ علم وحکمت اور دانش وبصیرت کے ایک کوہ گراں کا سینہ چھلنی کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی اسلام آباد سے وزیر اعظم میر ظفر اللہ خان جمالی نے یہ پھلجڑی چھوڑی کہ ''قاتل'' قانون کے شکنجے سے بچ نہیں سکیں گے''۔ زخم خوردہ قوم کے لیے تیر ونشتر جیسے ان بیانات سے زیادہ اذیت ناک اور دردانگیز چیز کوئی نہیں ہو سکتی۔ میں نے دو تین دن پہلے ہی پوچھا تھا کہ ''کون سے آہنی ہاتھ؟'' اور اس کے ساتھ ہی شیخ الحدیث مفتی نظام الدین شامزئی کے سانحہ قتل کی دلدوز خبر نے قیامت ڈھا دی۔ جانے ہم کس دشت بے اماں کی طرف نکل آئے ہیں کہ چاروں طرف آگ بارود اور لہو کے سوا کچھ دکھائی ہی نہیں پڑتا۔ ایک ہی کھیل مختلف انداز سے جاری ہے۔ کراچی سے وانا تک ایک ہی طرح کی ہوائیں چل رہی ہیں۔ دلوں کو ٹھنڈک اور آنکھوں کو خوابوں بھری نیند بخشنے والے لطیف جھونکے جانے کن بستیوں کو نکل گئے۔ جہاں علم وحکمت کا قتل روایت بن جائے وہ آبادیاں کتنی دیر تک قائم رہیں گی اور یہ کوئی آج کل کی بات نہیں، سال ہا سال سے وہ خون پانی سے زیادہ ارزاں ہو چکا ہے جس کی ایک ایک بوند تقدس، پاکیزگی اور عصمت کا گراں مایہ سرمایہ ہونی چاہیے۔ صلاح الدین شہید سے مفتی شامزئی تک شہادتوں کا ایک کارواں ہے اور کسی کے بارے میں یہ معلوم نہیں ہو پایا کہ قوم کے ماتھے کا جھومر سمجھی جانے والی ان عظیم شخصیات کے سینے کن قاتلوں نے چھلنی کیے۔ حکیم سعید کی شہادت کے وقت ایم کیو ایم شریک اقتدار تھی اور آج بھی شریک اقتدار ہے لیکن ابتدائی شواہد سامنے آتے ہی نواز شریف نے اپنی صوبائی حکومت کو خطرے میں ڈالتے ہوئے اپنے سیاسی اتحادیوں سے ترک تعلق کر لیا اور پوری ریاستی قوت کے ساتھ پیش رفت کی جس کے نتائج بھی فوراً سامنے آ گئے لیکن گزشتہ ساڑھے چار سالوں میں مولانا یوسف لدھیانوی اور مفتی شامزئی ایک ہی مقام پر ایک ہی عالی مرتبت علمی ادارے کی دہلیز پر شہید کر دیے گئے اور نہ کوئی آہنی ہاتھ حرکت میں آیا نہ کسی شکنجے نے انگڑائی لی نہ کوئی گردن دبوچی گئی اور نہ کوئی کیفر کردار کو پہنچا اب بھی روشنیوں کے شہر کے حاکم اسی کروفر کے ساتھ حکومت کرتے رہیں گے۔

مفتی شامزئی ہمارے عہد کا بانکپن تھے۔ وہ صاحب علم وعرفان بھی تھے اور دینی علوم پر دسترس رکھنے والے عالم دین بھی۔ ان کی طبیعت میں مومنانہ گداز بھی تھا اور حق کی سربلندی کے لیے سرگرم جہاد ہونے کا مجاہدانہ جنون بھی۔ وہ روحانیت کی راہوں کے فقیر منش مسافر بھی تھے اور علم وتحقیق کی کٹھن منزلوں کی متلاشی بھی۔ وہ دل میں اتر جانے والی تقریر اور ذہن وفکر کے دریچوں پر دستک دینے والی تحریر کا سلیقہ جانتے تھے۔ افغانستان میں روسی سپاہ نے خیمے گاڑے تو مفتی شامزئی کے سینے میں بھی وہی الاؤ بھڑک اٹھا جس نے ہر پاکستانی کے ذہن واحساس میں انگڑائی لی۔ انہوں نے نعروں کے خروش اور میڈیا کے تام جھام کے بغیر افغان جہاد میں تاریخ ساز کردار ادا کیا۔ یہ جہاد کامیابی کے ایک بڑے سنگ میل تک پہنچنے کے بعد اقتدار کی پگڈنڈیوں میں بھٹکنے لگا تو آتش بجاں مجاہدین نے اپنے رہنماؤں سے مایوس ہوکر زمام کار اپنے ہاتھ میں لے لی۔ طالبان نے قندھار سے سفر کا آغاز کیا تو راستے ان کے قدموں تلے بچھتے اور منزلیں گرد پا ہوتی چلی گئیں۔ مفتی شامزئی اس قافلہ سخت جاں کے بھی شریک سفر رہے۔ ملا محمد عمر جن شخصیات کو اپنے پیرومرشد کی طرح عزیز رکھتے تھے ان میں مفتی شامزئی سرفہرست تھے۔ مفتی صاحب نے جمعیت علمائے اسلام (ف) کا مرکزی رہنما ہوتے ہوئے بھی عملی سیاست کو اپنے ارفع مقاصد پر حاوی نہ ہونے دیا۔ وہ جمعیت کے سب سے زیادہ پڑھے لکھے رہنما تھے اور ''شیوخ بخاری'' کے عنوان پر پی ایچ ڈی کا عالمانہ مقالہ رقم کرکے ڈاکٹریٹ کی سند بھی حاصل کرچکے تھے لیکن انہوں نے جمعیت کے اندر اپنے آپ کو نمایاں کرنے کی کوشش کی، نہ مجلس عمل کے اندر ایڑیاں اٹھا اٹھا کر اپنے آپ کو قدآور ثابت کرنے کے جتن کیے۔ وہ ان خرخشوں سے آزاد تھے کہ ٹھوس شخصیات کو اس طرح کے جھوٹے مور پنکھوں کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ کام سے کام رکھنے والے اس مرد جلیل وجمیل نے کبھی میڈیا کے ذریعے اپنی ذات کو اچھالنے اور اجالنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ وہ قلب حساس اور ذہن رسا رکھنے والے ایسے عالم حق وصداقت تھے کہ مصلحت کیشی اور حیلہ جوئی کو کبھی اپنے قریب نہ پھٹکنے دیا۔ جب نائن الیون کو جواز بنا کر امریکہ نے اپنی تہذیب کے درندوں کو افغانستان کی چیر پھاڑ کے لیے کھلا چھوڑ دیا تو مفتی نظام الدین شامزئی نے پوری قوت سے اس کی مخالفت کی۔ ان کی تقریریں جہاد کا جلال وجمال لیے ہوتی تھیں اور اس حوالے سے وہ حکومت کی پالیسوں کے بھی زبردست نقاد تھے۔ جمعیت کی مرکزی شوریٰ کا رکن ہوتے ہوئے بھی وہ قیادت کی معتدل بلکہ خنک روش کے برعکس زہر ہلاہل کو قند کہنے کے لیے تیار نہ تھے کیونکہ نہ انھیں کسی حکومت کو بچانے کی فکر تھی اور نہ ہی وہ سرکار دربار کے کسی ''مورچے'' پر قبضہ کرنا چاہتے تھا۔ جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن میں حدیث نبوی کا درس دیتے ہوئے ہمہ وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معطر ومشک بو تذکرہ ان کے ہونٹوں پر رہتا تھا۔ انہوں نے کبھی مسلک یا فرقے کو اپنے عالمانہ خطبات کا موضوع نہ بننے دیا اور اتحاد بین المسلمین کے داعی رہے۔

صرف 52 سال کی عمر میں اس عظیم سکالر کی شہادت نے پاکستان کے علمی، دینی اور جہادی سرمائے کو اور بے مایہ کردیا ہے۔ ہمارے ہاں اب ایسے علما کی تعداد تو شاید ایک ہاتھ کی دو تین انگلیوں پر ہی ختم ہو جائے جو سیاست سے دامن کشاں رہتے ہوئے اپنی ساری ذہنی وفکری صلاحیتوں کو بڑے مقاصد کے لیے وقف کیے بیٹھے ہیں۔ اقتدار کی بارگاہوں کی چکا چوند نے کئی درویشان خدامست کی نگاہوں میں بھی حریصانہ چمک پیدا کردی ہے اور منبر ومحراب کی وراثت خس وخاشاک سیاست ہوتی جارہی ہے۔ ایسے میں مفتی نظام الدین شامزئی اپنے ڈھب کی منفرد شخصیت تھے۔

جامع مسجد خاتم النبیین مدرسہ دارالعلوم یوسفیہ کے احاطے میں مولانا یوسف لدھیانوی شہید کے پہلو میں لیٹے ہوئے مفتی نظام الدین شامزئی شاید انہی راہوں اور اسی منزل مراد کے لیے پیدا ہوئے تھے۔ جنت کے کسی باغ دلکشا میں مولانا لدھیانوی نے ان کا استقبال کرتے ہوئے پوچھا ہوگا...... ''تو کیا ابھی تک پاکستان جوں کا توں ہے؟''

مجھے معلوم نہیں کہ شامزئی شہید نے کیا جواب دیا ہوگا۔ یقیناً انہوں نے ''آہنی ہاتھوں'' اور ''فولادی شکنجوں'' کا تذکرہ نہیں کیا ہوگا کہ یہ دعوے اب مزاروں کے کنارے اگے درختوں میں الجھی کپڑے کی بوسیدہ دھجیوں سے بھی زیادہ بے مایہ ہو چکے ہیں۔ جس ملک کے قائدین اور عمائدین کا 99 فیصد وقت اختیار واقتدار کی قبائے زرتاب بننے میں صرف ہو جاتا ہو وہاں امن وانصاف کے پیراہن صدچاک کی فکر کون کرے؟

جانے اصلی ''آہنی ہاتھوں'' اور حقیقی ''فولادی شکنجوں'' کو اب کس کی تلاش ہوگی؟

(بشکریہ نوائے وقت)

حقیقی تواضع کون سی ہے

کمال کا دعویٰ تو کبر سے ناشی ہوتا ہے مگر بعض اوقات نفی کمال اور تواضع بھی کبر سے ناشی ہوتی ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں جو شخص مجمع میں اپنی مذمت بیان کرے اس نے درحقیقت اپنی مدح کی، کیوں کہ ظاہر ہی ہے کہ اس وقت لوگ اس کی مدح کریں گے اور یہ کید نفس ہے کہ لوگوں سے مدح کرا کر خوش ہونا چاہتا ہے۔ جس کی یہ سبیل نکالی ہے کہ خود اپنی مذمت کرنے لگے اور یہ علامات ریا میں سے ہے، آج کل بعض اپنے آپ کو بڑا ناکارہ نالائق کہتے ہیں اور خود کو حقیر وفقیر اور عاصی لکھتے ہیں لیکن جب وہ کلمات فرمائیں اس وقت اگر کوئی کہہ دے کہ ہاں صاحب آپ واقعی بڑے نالائق ہیں، پھر دیکھیے کہ ان کی کیا حالت ہوتی ہے وہ یہ سن کر تلملا ہی جائیں گے، چاہے وضع داری سے بظاہر چپ رہیں، لیکن ان کے دل میں کہنے والے کے خلاف غضب اور کدورت پیدا ہو جائے گی۔ اور ساری عمر کے لیے دشمن بن جائیں گے۔ ہاں اگر دل میں ذرا بھی برا نہ مانیں اور کچھ تغیر نہ ہو تو واقعی متواضع ہیں۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے تواضع کی یہی تعریف کی ہے کہ دل میں اپنے کو پست سمجھے۔ (از: حکیم الامت، حیاۃ طیبہ: ص ۱۴)